38

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کے بعد جو کسی کو نہیں مل سکا وہ آج حاصل ہو سکتا ہے

(فرمودہ 23 نومبر 1945ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"حضرت خواجہ نظام الدین صاحبؒ اولیاءِ ہندوستان کے چوٹی کے بزرگوں میں سے تھے۔ چنانچہ ہندوستان میں جو سلسلہ ولایت جاری ہوا اُس میں وہ چوتھے نمبر پر ہیں۔ خواجہ معین الدین صاحب چشتیؒ سب سے پہلے ہندوستان میں تشریف لائے اور اجمیر میں اپنا مرکز قائم کر کے اشاعتِ اسلام کا کام نہایت شاندار طریق پر سر انجام دیا۔ ان کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین صاحب بختیار کاکیؒ ان کے خلیفہ مقرر ہوئے جنہوں نے دہلی میں اسلام کا عَلم بلند کیا۔ ان کے خلیفہ حضرت خواجہ فرید الدین صاحبؒ شکر گنج والے جن کی پاک پتن میں گدّی ہے ان سے تصوف کا علم حاصل کر کے پاک پتن میں تشریف لائے اور پنجاب میں تبلیغ کی اہم بنیاد ڈالی۔ یہ دیکھ کر کسی نے دہلی والوں کو طعنہ دیا کہ تمہاری برکات تو پنجاب لے گیا ہے۔ اِس پر حضرت خواجہ نظام الدین صاحبؒ دہلی سے حضرت خواجہ فرید الدین صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے شاگرد بن کر روحانیت کا سبق حاصل کرنے لگے۔ جب کچھ عرصہ کے فیضِ صحبت کے بعد وہ روحانی منازل طے کرنے لگے تو حضرت خواجہ فرید الدین صاحب

نے انہیں پروانۂ خلافت عطا کیا اور انہوں نے دہلی میں تبلیغِ اسلام کا کام شروع کیا۔ پس وہ ہندوستان کی روحانی بادشاہت میں چوتھے بادشاہ تھے۔ ہندوستان میں اسلام کا بہت کچھ رُعب حضرت خواجہ نظام الدین صاحبؒ کی وجہ سے ہی قائم ہوا ہے کیونکہ ان کے زمانہ میں اسلامی حکومت کا قیام ہوا۔ اور چونکہ حکومت کی وجہ سے کمزور ایمان والے لوگ دنیا کی طرف جھک جاتے ہیں اور ان میں دین کی محبت اور قربانی کا وہ جذبہ قائم نہیں رہتا جو پہلے ہوتا ہے اِس لئے ان خرابیوں کی اصلاح کا فرض بھی خواجہ نظام الدین صاحبؒ پر عائد ہوا جس کو انہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ خواجہ نظام الدین صاحبؒ کے ایک شاگرد خواجہ غلام علی صاحب تھے جو بعد میں ان کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ ان سے ایک دفعہ مجلس میں کوئی ایسی حرکت سرزد ہوئی جو نامناسب تھی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ خواجہ صاحب نے ان کی اس غلطی کو دیکھ لیا اور انہیں سخت تکلیف ہوئی کہ میری صحبت میں ایک لمبا عرصہ رہنے کے باوجود انہوں نے اپنی اصلاح کی کوشش نہیں کی۔ دوسری طرف شاگرد کی نظر بھی اپنے استاد پر جا پڑی اور اس نے سمجھ لیا کہ میری غلطی کو خواجہ صاحب نے دیکھ لیا ہے۔ جب ایک طرف استاد کی نظر اپنے شاگرد پر پڑی اور دوسری طرف شاگرد کی نظر اپنے استاد پر پڑی تو خواجہ غلام علی صاحب نے اپنے پیر کو مخاطب کرتے ہوئے بے اختیار کہا۔

زُہد تاپاں فسق ماپاں کم نہ کرد
فسق ماپاں بہتر از زہد شماست

یعنی آپ کے تقویٰ نے میری کمزوریوں کو دور نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میری گنہگاری آپ کی نیکی سے طاقتور ہے۔ کیونکہ جب دونوں کا آپس میں مقابلہ اور ٹکراؤ ہوا تو میری بدی آپ کی نیکی پر غالب آگئی۔ حالانکہ میں نے نیکی کو موقع دیا تھا کہ وہ میری بدی پر غالب آجائے لیکن اس کے باوجود میری بدی آپ کی نیکی پر غالب آگئی۔ شاگرد کے اس کلام سے خواجہ صاحب کے دل کو چوٹ لگی۔ اور انہوں نے جواب میں کہا اچھا دیکھا جائے گا۔ پھر کچھ ایسے درد سے انہوں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کی اصلاح کی بلکہ ایسی اصلاح کی کہ

ان کے ذریعہ دوسرے لوگوں کی بھی بہت بڑی اصلاح ہوئی اور وہ دین کے چراغوں میں سے ایک چراغ بن گئے۔ اس قسم کے مقابلے دنیا میں ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔ کُفر اور اسلام کی جنگ نہ پہلے ختم ہوئی اور نہ آئندہ زمانہ میں ختم ہو گی۔

اگر ہم پیدائشِ عالَم سے لے کر اب تک دنیا کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے لائیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا ایک اکھاڑہ ہے جس میں اسلام اور کفر کے پہلوانوں کی آپس میں کُشتیاں ہو رہی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ اس کُشتی میں کون جیتتا اور کون ہارتا ہے۔ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے پیدا ہوتے ہیں جو نور کو دنیا میں پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحم سے انہیں شیطان پر غلبہ عطا کر دیتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے بندے اس سے ایسے غافل اور ظلمت سے مانوس ہو جاتے ہیں کہ شیطان کا پلّہ بھاری ہو جاتا ہے اور وہ خدائی پہلوانوں کو پچھاڑ دیتا ہے۔ یہ کُشتی ابتدائے عالَم سے شروع ہوئی اور انتہائے عالَم تک ہوتی چلی جائے گی۔ آدم کے زمانہ سے لے کر آج تک ہمیشہ کچھ بندے ایسے گزرے ہیں جو اس دنیا کی زندگی کو اپنی اخروی زندگی کی کھیتی تیار کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتے رہے اور آئندہ آنے والی زندگی کے لئے تمام تکلیفوں کو خوشی سے برداشت کرتے رہے۔ لیکن بعض بندے ایسے ہوتے ہیں جو اِس دنیا کی خاطر اپنی اخروی زندگی کو قربان کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ جب مریں گے اور مرنا ہر ایک نے ہی ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے نہیں مرنا۔ تو وہ اِس دنیا سے خالی ہاتھ جائیں گے اور خالی ہاتھ اپنے رب سے ملیں گے۔ لیکن وہ لوگ جو اِس دنیا کو اُخروی زندگی کے لئے ایک مزرعہ سمجھتے ہیں اور اُخروی حیات کے لئے ہر قسم کی تکالیف خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں وہ اپنی آئندہ زندگی کے لئے بہت سے سامان اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ اگر ہم دنیا کے حالات پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اِس عالَم میں کچھ لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے ماتحت اِس دنیا میں بھی آرام ملتا ہے اور اگلے جہان میں بھی آرام ملے گا۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو اِس زندگی میں تو آرام نہیں ملتا لیکن آئندہ زندگی میں اللہ تعالیٰ ان کے لئے ہر قسم کے آرام کے سامان پیدا کرے گا۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے اِس جہان میں تو آرام کے سامان ہیں لیکن اگلے جہان میں

ان کے لئے آرام کا کوئی سامان نہیں ہو گا۔ اگر یہ درست ہے اور تمام مذاہب میں یہی بات درست سمجھی جاتی ہے اور تمام تجربہ کار لوگوں کا یہی قول ہے کہ اِس دنیا کی زندگی اخروی زندگی کے مقابلہ میں بالکل حقیر چیز ہے، یہ اُس کے مقابلہ میں اُتنی بھی حیثیت نہیں رکھتی جتنی سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ حیثیت رکھتا ہے تو جس نے قطرہ کی حفاظت کی اور سمندر کو چھوڑ دیا اور جس شخص نے قطرے کو چھوڑ دیا اور سمندر کو رکھ لیا وہ دونوں آپس میں برابر نہیں ہو سکتے۔ قطرہ آج نہیں تو کل ختم ہو جائے گا مگر سمندر کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

وہ لوگ جو اِس دنیا سے بالکل فائدہ نہیں اٹھاتے یا اِس دنیا سے کم فائدہ اٹھاتے ہیں وہ انبیاء کے زمانے کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں اکثر حصہ ایسا ہوتا ہے جو راحت و آرام کے سامانوں سے کُلّی تہی دست ہوتا ہے یہاں تک کہ اُن کے حالات پڑھ کر ہر وہ شخص جس کے سینہ میں روشن دل موجود ہو اپنی رِقّت کو روک نہیں سکتا۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی شیدائیوں میں سے تھے وہ مکہ کے رئیس گھرانہ میں سے تھے۔ مگر اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں اور ان کی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ مکہ سے ہجرت کے ارادہ کے ساتھ حبشہ کی طرف چل پڑے۔ راستہ میں انہیں اپنے باپ کا ایک گہرا دوست مل گیا۔ اُس نے پوچھا عثمان کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ مکہ والوں نے مکہ میں میرا رہنا دشوار بنا دیا ہے اِس لئے میں عرب سے باہر اپنے لئے کوئی جگہ تلاش کرنے چلا ہوں۔ اس رئیس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے کہا عثمان! تمہارا باپ میرا دوست تھا اور ہم ایک دوسرے پر جان فدا کیا کرتے تھے۔ اب میری زندگی میں تمہارا مکہ سے جانا بڑی ذلت کی بات ہے تم بغیر کسی قسم کے خطرہ کے میرے ساتھ واپس چلو تم کو کوئی شخص تکلیف پہنچانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ زور دے کر حضرت عثمانؓ کو واپس لے آیا اور اُس نے خانہ کعبہ میں اِس بات کا اعلان کر دیا کہ عثمان میری حفاظت میں ہے۔ اگر کوئی شخص انہیں کچھ کہے گا تو وہ میرے نزدیک ایسا ہی ہو گا جیسا اُس نے مجھے تکلیف دی۔ اِس اعلان کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کے لئے تکالیف اور مشکلات کم ہو گئیں اور وہ آزادانہ طور پر مکہ کے گلی کُوچوں میں

پھرنے لگے۔ ایک دفعہ حج کے ایام میں آئے تو لبید جو کہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور ایک سَو بیس سال کی عمر میں فوت ہوئے ایک مجلس میں رؤسا کو شعر سنانے لگے۔ اُس وقت ان کی عمر اسّی سال کے قریب تھی اور بوجہ اِس کے کہ وہ عرب کے سب سے بڑے شاعر تھے اور بوجہ اِس کے کہ وہ بڑی عمر کے تھے اور عرب لوگ بڑی عمر والوں کا خاص طور پر ادب کیا کرتے تھے ان کی سارے عرب میں بہت بڑی عزت تھی۔ جب وہ مجلس میں لوگوں کو شعر سنا رہے تھے اور عرب کے رؤساء اُنہیں بڑھ بڑھ کر داد دے رہے تھے تو انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٗ

اے لوگو سنو! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے بڑے جوش سے کہا۔ صَدَقْتَ تم نے سچ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ اتنے بڑے انسان کے لئے ایک بچے کی تصدیق ہتک سے کم نہیں تھی۔ لبید غصہ میں آکر کہنے لگے مکہ والو! تم میں کب سے یہ گستاخی کا طریق جاری ہوا ہے کہ میرے جیسا شاعر جس کا مثل سارے عرب میں نہیں اُسے اٹھارہ اٹھارہ سال کے لڑکے داد دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نے سچ کہا۔ کیا میرے جیسا شاعر اِن نو عمر لڑکوں کی داد کا محتاج ہے۔ وہ لوگ جو حضرت عثمانؓ کے ارد گرد بیٹھے شعر سن رہے تھے انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا بچے! اگر بیٹھنا ہے تو آرام سے بیٹھو نہیں تو چلے جاؤ۔ اِس قسم کی ہتک آمیز باتیں کرنے کی تمہیں اجازت نہیں۔ جب لوگ اُن کو ڈانٹ ڈپٹ کر بیٹھ گئے تو لبید نے اگلا مصرع پڑھا۔

وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٗ

تمام نعمتیں آخر کار فنا ہونے والی ہیں۔ جب اُس نے یہ مصرع پڑھا تو حضرت عثمانؓ نے کہا كَذَبْتَ۔ تم جھوٹ کہتے ہو۔ نَعِيْمُ الْجَنَّةِ لَا يَزَالُ۔ جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہیں ہوں گی۔ اِس پر لبید نے کہا اب تو حد ہو گئی۔ پہلے تو یہ لڑکا سمجھتا تھا کہ لبید اِس کی تصدیق کا محتاج ہے مگر اب تو اِس نے میری صریح ہتک کر دی ہے میں اب کوئی شعر نہیں سناؤں گا۔ اِس پر لوگوں کو سخت غصہ آیا اور حضرت عثمانؓ پر جھپٹ پڑے۔ اِس دوران میں ایک شخص نے حضرت عثمانؓ کے اِس زور سے گھونسا مارا کہ انگوٹھا اُن کی آنکھ کے اندر گھس گیا اور ڈیلا باہر نکل

آیا۔ وہ رئیس جس نے ان کو پناہ دی تھی وہ بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ لیکن وہ کیا کر سکتا تھا سارا مکہ ایک طرف تھا اور وہ ایک طرف۔ اگر وہ مقابلہ کے لئے کھڑا بھی ہوتا تو نہ صرف مکہ کے رؤسا بلکہ باہر کے تمام رؤسا بھی اُس کے خلاف ہو جاتے کیونکہ اِس مجلس میں تمام عرب کے سردار جمع تھے۔ دوسری طرف وہ محبت جو اپنے دوست اور دوست کے بیٹے سے تھی اُس کی وجہ سے اُسے یہ نظارہ دیکھنے کی تاب نہ رہی اور چونکہ وہ ان رؤسا کو کچھ کہہ نہیں سکتا تھا اس لئے جیسے کسی نوکر کا بچہ آقا کے بچے سے لڑ پڑے تو نوکر ماں ہمیشہ اپنے بچے کو ہی مارتی ہے کہ میں نے جو تجھے منع کیا تھا کہ وہاں نہ جایا کر پھر تُو کیوں گیا؟ جب اس کی بے بسی اور بے کسی اسے مارنے والے کے مقابلہ میں کھڑا نہیں ہونے دیتی تو وہ اپنے بچے کو ہی مار کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیتی ہے۔ اِسی طرح جب اس رئیس کو سارے عرب کے خلاف کھڑا ہونے کی جرأت نہ ہوئی تو اُس نے حضرت عثمانؓ پر اپنا غصہ نکالا اور کہا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم خواہ مخواہ بڑوں کی باتوں میں دخل نہ دیا کرو؟ آخر تم نے دیکھ لیا کہ اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ تمہاری آنکھ ضائع ہو گئی۔ اگر تم میری نصیحت پر عمل کرتے تو ایسا کیوں ہوتا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا تم ایک آنکھ کا ذکر کرتے ہو خدا کی قسم! میری تو دوسری آنکھ بھی سچائی کی خاطر نکلنے کو تیار ہے۔1

غرض حضرت عثمانؓ جو ایک بہت بڑے رئیس کے بیٹے تھے اور بڑے بڑے رؤسا اُن کا احترام کیا کرتے تھے اسلام لانے کے بعد ان کی ایسی حالت ہو گئی کہ لوگوں کی نگاہ میں ان کی کچھ بھی عزت باقی نہ رہی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کی اُن قربانیوں کی وجہ سے جو انہوں نے اسلام کی خاطر کیں اِس قدر محبت تھی کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم فوت ہوئے تو آپ نے انہیں قبر میں رکھتے ہوئے فرمایا۔ جا اپنے بھائی عثمان بن مظعونؓ کے پاس۔2 گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عثمان بن مظعونؓ اپنے بچوں کی طرح پیارے تھے۔ جب یہ عثمانؓ شہید ہوئے تو لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس شکایت کی کہ یا رسول اللہ! حضرت عثمانؓ کو دفن کرنے کے لئے ہمارے پاس کافی کپڑا نہیں۔ چادر اِتنی چھوٹی ہے کہ اگر ہم سر پر ڈالتے ہیں تو پاؤں ننگے ہو جاتے ہیں اور

اگر پیر ڈھانکتے ہیں تو سر ننگا ہو جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا سر کو چادر سے ڈھانک دو اور پیروں پر گھاس ڈال دو۔3 یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی زندگیاں ایسے بسر کیں کہ ان کو کسی قسم کا چین اور سُکھ اِس دنیا میں نہیں ملا۔ وہ نعمتوں سے پُر پیٹوں کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فاقوں سے خالی پیٹوں اور اپنی گردنوں پر دشمنوں کی تلواریں کھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو گئے۔

اِس کے علاوہ ایک طبقہ وہ بھی تھا جس نے تکلیفیں اٹھانے کے بعد نعمتوں اور برکتوں کا زمانہ بھی دیکھا چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ اُنہی لوگوں میں سے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات سے تین سال پہلے اسلام لائے تھے اور چونکہ ہزاروں لوگ ان سے پہلے اسلام لا چکے تھے انہوں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ میں اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دروازہ سے نہیں ہِلوں گا اور دن رات آپ کی باتیں سنا کروں گا۔ چنانچہ وہ رات دن مسجد میں بیٹھے رہتے تا ایسا نہ ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باہر تشریف لا کر کوئی بات کریں اور وہ اُس کے سننے سے محروم رہ جائیں۔ اور چونکہ وہ دن رات مسجد میں رہتے تھے اپنے گزارہ کے لئے کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا ایک بھائی انہیں روٹی پہنچا دیا کرتا تھا۔ مگر تنگ آ کر ایک دن اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس شکایت کی کہ یا رسولَ اللہ! ابوہریرہؓ کوئی کام نہیں کرتا، آپ اسے سمجھائیں کہ کوئی کام کیا کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کبھی اپنے بندے کو اِس لئے رزق دیتا ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائی کی مدد کرے۔ چونکہ تمہارا بھائی دین کی خدمت میں مشغول ہے اِس لئے تم اس کے لئے قربانی کرو اور اُسے کھانا کھِلاتے رہا کرو۔4 لیکن معلوم ہوتا ہے کہ غالباً اُس کا اپنا گزارہ مشکل سے چلتا تھا اور دوسرے وہ مدینہ سے دُور رہتا تھا اور روزانہ آنا اُس کے لئے مشکل تھا اِس لئے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اِس ہدایت پر عمل نہ کر سکا اور حضرت ابوہریرہؓ بغیر کسی سہارے کے پڑے رہے۔ اِس دوران میں ان کو کئی کئی وقت کے فاقے بھی آئے۔ مگر انہوں نے کسی تکلیف کی پروا نہ کی اور آخر وقت تک اپنے اُس عہد کو نبھایا جو انہوں نے اسلام لاتے وقت کیا تھا۔ جب ایران فتح ہوا اور بادشاہ کا توشہ خانہ اور

کپڑے تقسیم ہوئے تو وہ رومال جو کسریٰ تختِ شاہی پر بیٹھتے وقت زینت کے طور پر اپنے ہاتھ میں رکھا کرتا تھا وہ حضرت ابوہریرۃؓ کے حصہ میں آیا۔ حضرت ابوہریرۃؓ کو ایک دفعہ نزلہ اور کھانسی کی تکلیف تھی۔ ان کو کھانسی جو آئی تو انہوں نے اس رومال میں بلغم تُھوک دیا اور پھر کہا بَخٍ بَخٍ اَبُوْھُرَیْرَۃَ! یعنی واہ واہ ابوہریرہ! یا تو تیرے سر پر جُوتیاں پڑا کرتی تھیں اور یا اب یہ حالت ہے کہ تُو ایران کے بادشاہ کے اُس رومال میں تُھوکتا ہے جس کو وہ بطور زینت استعمال کیا کرتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ تیرے سر پر جُوتیاں پڑا کرتی تھیں؟ حضرت ابوہریرۃؓ نے فرمایا میں جب اسلام لایا تو میں نے خیال کیا کہ لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بہت کچھ فائدہ اٹھالیا ہے اب مجھے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔ چنانچہ میں نے اپنے دل میں عہد کر لیا کہ میں آخر دم تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دروازے کو نہیں چھوڑوں گا۔ میں غریب آدمی تھا اور مدد کرنے والا کوئی نہ تھا۔ مجھے کئی کئی وقت کا فاقہ آتا اور فاقہ کو برداشت نہ کرسکنے کی وجہ سے میں بعض دفعہ مسجد کی کھڑکی میں کھڑا ہو جاتا کہ اگر کوئی شخص گزر رہا ہو تو میری شکل سے پہچان کر مجھے کھانے کے لئے ساتھ لے چلے گا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں مسجد کے دروازہ کے پاس کھڑا ہو گیا کہ شاید کوئی شخص میری شکل دیکھ کر ہی سمجھ لے کہ میں بُھوکا ہوں۔ مگر لوگ آتے اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ کر آگے چل پڑتے اور کوئی شخص میرے وہاں کھڑا ہونے کی حقیقت کو نہ سمجھ سکتا۔ آخر جب میں نے دیکھا کہ خالی شکل دیکھنے سے لوگوں کو کوئی احساس پیدا نہیں ہوتا تو میں نے ایک اَور طریق اختیار کیا۔ حضرت ابوبکرؓ گزرے تو میں نے اُن سے پوچھا کہ قرآن کریم کی اِس آیت کا کیا مطلب ہے کہ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا[5] اِس پر حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر صدقہ پر ایک تقریر شروع کر دی اور کہا کہ مساکین کو کھانا کِھلانا، یتامیٰ کی خبر گیری کرنا اور اسیروں پر احسان کرنا ایسے کام ہیں جن سے خدا تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے اور پھر آگے چلے گئے۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے اپنے دل میں کہا کیا مجھے اِس آیت کے معنے نہیں آتے تھے؟ میرا تو یہ مطلب تھا کہ آپ اِس پر عمل بھی کریں۔ اِس کے بعد حضرت عمرؓ گزرے، حضرت عثمانؓ گزرے اور میں نے ہر ایک سے یہی سوال کیا۔ لیکن

ان میں سے کوئی بھی میرا مطلب نہ سمجھ سکا بلکہ وہ اس کے معنے بتا کر آگے چلے جاتے۔ مجھے اُس روز سات وقت کا فاقہ تھا اور میری حالت سخت خراب تھی۔ میں حیران تھا کہ کیا کروں۔ جس حد تک سوال کر سکتا تھا اُس حد تک میں نے سوال کر دیا تھا لیکن کسی کو بھی اصل حقیقت کی طرف توجہ پیدا نہیں ہوتی۔ ہر ایک تقریر کر کے آگے چلا جاتا ہے۔ میرے دل میں یہی خیالات موجزن تھے کہ مجھے پیچھے سے کسی کے ہنسنے کی آواز آئی اور اسکے ساتھ ہی یہ الفاظ میرے کان میں پڑے۔ ابوہریرہؓ! بُھوکے ہو؟ میں نے مُڑ کر دیکھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے گھر کے دروازہ پر کھڑے تھے۔ میں نے آپ کو دیکھ کر کہا یَارَسُوْلَ اللہ! سات وقت سے فاقہ ہے۔ فرمانے لگے آج ہمیں کسی نے دودھ کا پیالہ تحفہ کے طور پر بھیجا ہے آؤ تمہیں پلائیں۔ جب میں آپ کے پاس گیا تو فرمایا پہلے مسجد میں جا کر دیکھو کوئی اَور تو بُھوکا نہیں؟ اگر ہو تو اُس کو بھی ساتھ لیتے آؤ۔ میں نے جا کر دیکھا تو چھ آدمی بیٹھے تھے۔ میں نے دل میں کہا اب تو شامت آئی۔ دودھ کا پیالہ ایک ہے اور پینے والے سات ہیں حصہ رَسدی کے طور پر کچھ ملا بھی تو کیا ملے گا۔ خیر میں اُن سب کو ساتھ لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سمجھا کہ دودھ کا پیالہ شاید پہلے مجھے دیا جائے گا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پہلے کسی اَور آدمی کو پیالہ دے دیا اور فرمایا پیئو۔ میں نے کہا اب تو خیر نہیں۔ اگر تقسیم کر کے ملتا تو شاید کچھ حصہ مل جاتا مگر اب تو پیالہ کسی اَور کو مل گیا ہے وہ دودھ کہاں چھوڑے گا۔ اُس نے دودھ پیا اور پی کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ میں پیالہ دے دیا۔ آپ نے دوسرے کو دے دیا۔ پھر تیسرے کو پھر چوتھے کو اور پانچویں کو۔ جب بھی کسی دوسرے کو پیالہ ملتا مَیں کہتا کہ میں مرا۔ یہاں تک کہ سب نے دودھ پی لیا۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ابوہریرہ! اب تم پیئو۔ میں نے جب پیالہ پینے کے لئے لیا تو دیکھا کہ وہ لبالب بھرا ہوا ہے۔ کچھ پیالہ بھی بڑا ہو گا اور کچھ اللہ تعالیٰ نے بھی اُس میں برکت پیدا فرما دی اور اس طرح اپنا نشان دکھا دیا۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں میں نے دودھ پیا اور اِتنا پیا کہ میرا پیٹ بھر گیا لیکن پیالہ ابھی بھرا ہوا تھا۔ میں نے سیر ہو کر دودھ کا پیالہ رکھ دیا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ابوہریرہ! اور پیئو۔ میں نے پھر پیا اور اِتنا پیا کہ میرا

پیٹ خوب بھر گیا اور میں نے کہا یا رسول اللہ! اب تو اَور نہیں پیا جاتا۔ فرمایا پھر پیئو۔ میں نے پھر پینا شروع کیا اور اِتنا پیا کہ دودھ میرے ناخنوں تک سرایت کر گیا اور میں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! اب تو دودھ میرے ناخنوں سے ٹپکنے لگ گیا ہے۔ اِس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ بچا ہوا دودھ خود لے کر پی لیا۔6 غرض یہ حالت ہوتی تھی کہ مجھے بعض دفعہ سات سات دن کا فاقہ کرنا پڑتا تھا اور بعض دفعہ زیادہ فاقہ کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر جاتا۔ لوگ سمجھتے کہ مجھے مرگی کا دَورہ ہو گیا ہے اور چونکہ عربوں میں رواج تھا کہ جسے مرگی کا دَورہ ہو اُس کے سر پر جُوتیاں مارتے تھے اس لئے وہ مجھے مرگی کا مریض سمجھتے ہوئے میرے سر پر جُوتیاں مارنے لگ جاتے تھے حالانکہ میں ضُعف کی وجہ سے بیہوش ہوتا تھا۔ غرض ایک تو وہ دن تھا کہ میں بُھوک کی وجہ سے بیہوش ہو جاتا تو لوگ میرے سر پر جُوتیاں مارتے اور یا آج یہ حالت ہے کہ شاہِ ایران کے اُس رومال میں مَیں تُھوک رہا ہوں۔7 جس میں کہ بادشاہ کو بھی تُھوکنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اور جسے وہ تختِ شاہی پر بیٹھتے وقت بطور زینت استعمال کیا کرتا تھا۔

لیکن کچھ لوگ حضرت عثمانؓ بن مظعون اور حضرت حمزہؓ کی طرح تھے جنہوں نے اپنی زندگیاں اسلام کے لئے قربان کر دیں اور انہوں نے اِس دنیا میں کوئی بھی سُکھ نہ دیکھا۔ اگر یہی دنیا ہے اور اگلا جہان کوئی نہیں تو خدا تعالیٰ کے لئے انتہا درجہ کی قربانیاں کرتے ہوئے انتہا درجہ کے بدبخت یہی لوگ تھے۔ اور اگر اِس دنیا کے سوا کوئی اَور دنیا بھی ہے جیسا کہ اسلام کہتا ہے کہ ہے تو پھر اِن کا اِس دنیا سے اِس طرح محروم جانا یقیناً ان کے لئے انتہا درجہ کی خوش بختی کا باعث ہے۔

بہر حال کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے اِس دنیا کی لذتوں کو بالکل حاصل نہیں کیا اور وہ اِسی حالت میں مر گئے۔ وہ اپنے سارے حساب کے اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہیں۔ اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے کچھ انعامات اِس دنیا میں حاصل کر لئے اور باقی اگلے جہان میں حاصل کریں گے۔ پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے دنیا تو دی مگر اُنہوں نے دنیا کو استعمال نہیں کیا۔ جیسے حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف جب فوت ہوئے تو اُن کے گھر سے تین کروڑ کے قریب روپیہ نکلا۔ لیکن اُن کی اپنی زندگی بالکل سادہ تھی۔ وہ اکثر غریبوں اور بیکسوں کی

خبر گیری میں ہی اپنا روپیہ صَرف کر دیا کرتے تھے۔ غرض یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اِس دنیا میں انتہا درجہ کی قربانیاں کیں اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہو گئے۔

اب ہماری جماعت دنیا میں اسلام کا عَلَم بلند کرنے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اور ہماری جماعت وہ ہے جسے ایک نبی پر ایمان لانا نصیب ہوَا۔ بے شک وہ تابع اور ظلّی نبی ہے لیکن بہر حال وہ خدا تعالیٰ کا مکلّم نبی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بولتا تھا اور اس سے وسیع انعامات کے وعدے فرماتا تھا جیسا کہ وہ پہلے نبیوں سے فرماتا رہا۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مستثنیٰ کرتے ہوئے گزشتہ تمام نبیوں پر اِس کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اور اتنی فضیلت تو ظاہر ہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کا آنا اپنا آنا قرار دیا ہے۔ ایسے عظیم الشان نبی کی جماعت جس قسم کے انعامات کی امیدوار ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہیں۔ اور ان انعامات کے لئے جس قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہے وہ بھی ظاہر ہیں۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ ایک ایسا انسان جو دنیا کی ساری نعمتوں سے حصہ لیتے ہوئے دنیا کے سارے انعاموں سے حصہ لیتے ہوئے اور دنیا کے سارے آراموں سے حصہ لیتے ہوئے اپنے اموال اور اپنی جائیداد اور اپنی عزت کی قربانی سے دریغ کرتے ہوئے اِدھر اُدھر بھاگے گا جب وہ خدا تعالیٰ کے پاس جائے گا تو خدا تعالیٰ اُسے بڑے تپاک سے ملے گا؟ اُسی طرح جس طرح کہ اُس شخص سے جس نے اُس کے دین کے لئے قربانیاں کیں اور اپنی ساری زندگی اُسی کے لئے تکالیف اٹھاتے ہوئے گزار دی۔ یہ تو کوئی بے حیا سے بے حیا انسان بھی نہیں کر سکتا۔ پھر ہم خدا تعالیٰ کی نسبت یہ کس طرح امید کر سکتے ہیں کہ وہ اِس طرح کرے گا۔ وہ تو عادل ہے بلکہ عادل ہی نہیں رحیم بھی ہے۔ رحیم کے لفظ سے بعض نادان یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ چونکہ رحیم ہے اِس لئے خواہ ہم دل کھول کر جُرم کر لیں پھر بھی خدا تعالیٰ کا رحم حاصل کر لیں گے۔ ان کی سمجھ میں یہ فرق نہیں آتا کہ جس نے خدمت کی ہے وہ زیادہ رحم کا مستحق ہے یا وہ جس نے بغاوت سے کام لیا ہے؟

پس یاد رکھو ہمارا زمانہ قربانیوں کا زمانہ ہے۔ ہمارا زمانہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے حصول کا زمانہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کے بعد تیرہ سو سال تک جو کسی کو نہیں

مل سکا وہ آج حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی حاصل نہ کرے تو اَور بات ہے ورنہ جنت کی نعماء اور اللہ تعالیٰ کے قرب کی راہیں جس رنگ میں تیرہ سو سال کے بعد آج کھلی ہیں اِس طرح تیرہ سَو سال میں کسی کے لئے نہیں کھلیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کو چھوڑ کر کہ آپ سیدِ وُلدِ اُدم اور تمام نبیوں کے سردار تھے آدم سے لے کر آج تک خدا تعالیٰ کے قرب کی وہ راہیں کسی کے لئے نہیں کھلیں جو ہمارے لئے کھلی ہیں۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم قربانیاں کر کے اللہ تعالیٰ کے انعامات کو حاصل کر لیں یا قربانیوں سے منہ موڑ کر اُس کے انعامات سے محروم ہو جائیں۔ یاد رکھو قربانیوں کے میدان میں اللہ تعالیٰ اپنا منشاء یکدم ظاہر نہیں کرتا بلکہ اُس کی ہمیشہ سے یہ سنت چلی آئی ہے کہ وہ آہستہ آہستہ اپنے منشاء کو ظاہر کرتا ہے تا کمزور دل انسان گھبرا نہ جائیں اور وہ قربانیوں سے دریغ نہ کریں۔ اس لئے ہماری جماعت بھی ابھی اُن ذمہ داریوں کو نہیں سمجھتی جو اِس پر عائد ہونے والی ہیں اور ابھی اسے معلوم نہیں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ سوائے اُن لوگوں کے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حقیقت کھول دی ہے اور وہ مستقبل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جس طرح کہ میں اس کے فضل سے دیکھ رہا ہوں۔

ہماری جماعت کی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ میں سے ایک شخص کو نکالا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے کہے گا میں تجھے جہنم میں سے تو نکال لیتا ہوں لیکن مجھ سے کچھ اَور نہ مانگنا۔ وہ کہے گا اے اللہ! اِس سے بڑی نعمت اَور کیا ہو سکتی ہے کہ تُو مجھے دوزخ میں سے نکال دے۔ اگر تُو مجھے دوزخ میں سے نکال دے تو میرے لئے سب سے بڑی نعمت یہی ہو گی اور میں تجھ سے اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ اِس پر اللہ تعالیٰ اُس کو باہر نکال کر کھڑا کر دے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد اُسے دُور ایک درخت نظر آئے گا جو سرسبز و شاداب ہو گا، اُس کا سبزہ دیکھ کر اُس کا دل للچائے گا۔ کچھ عرصہ تو وہ برداشت کرتا رہے گا اور کہے گا کہ جب میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ میں نے اُس سے کچھ اور نہیں مانگنا تو اُس سے کوئی سوال کس طرح کروں مگر آخر کہے گا الٰہی! ہے تو گستاخی، میں نے وعدہ کیا تھا کہ اَور کچھ نہیں مانگوں گا لیکن تُو رحیم و کریم ہے اگر تُو مجھے اس درخت کے نیچے

کھڑا کر دے تو تیری بڑی مہربانی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کہے گا میں تیری یہ بات مان لیتا ہوں لیکن وعدہ کر کہ پھر کچھ نہیں مانگے گا۔ وہ کہے گا اے خدا! اِس سے زیادہ میں کیا مانگوں گا۔ تُو مجھے وہاں پہنچا دے پھر میں تجھ سے اَور کچھ نہیں مانگوں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اُسے وہاں کھڑا کر دے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد اسے پھر ایک اَور درخت نظر آئے گا جس کے نیچے ٹھنڈا چشمہ بھی ہو گا اور وہ پہلے درخت سے زیادہ سایہ دار ہو گا۔ اس سے رہا نہ جائے گا اور وہ کہے گا الٰہی! میں نے وعدہ تو کیا تھا پر اَب رہا نہیں جاتا۔ تُو بڑا مہربان ہے اگر مجھے اِس درخت سے لے جا کر اُس درخت کے نیچے کھڑا کر دے تو تیری بڑی مہربانی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کہے گا تُو نے تو کہا تھا کہ میں اَور کچھ نہیں مانگوں گا لیکن تُو پھر مانگ رہا ہے۔ وہ کہے گا الٰہی! میں نے کہا تو تھا لیکن اب رہا نہیں جاتا۔ تُو مجھے وہاں پہنچا دے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسکے بعد میں کچھ اَور نہیں مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ پھر اُسے وہاں کھڑا کر دے گا۔ اِس طرح یکے بعد دیگرے کئی درخت اُسے نظر آئیں گے اور وہ ان سب کے نیچے سے ہوتا ہوا ایک ایسی جگہ پہنچے گا جہاں سے اسے جنت کا دروازہ نظر آئے گا اور وہ جنت کے لوگوں کو ہر قسم کے آرام اور راحتوں میں پھرتے ہوئے دیکھے گا۔ کچھ مدت تو وہ خاموش رہے گا مگر پھر برداشت نہ کر سکتے ہوئے کہے گا اے میرے رب! میں نے وعدہ تو کیا تھا کہ میں اَور کچھ نہیں مانگوں گا پر تُو بڑا رحیم ہے، میں جنت نہیں مانگتا اَور نہ کسی قسم کی اور نعمت مانگتا ہوں، میں نہ کسی نعمت کا مستحق ہوں اور نہ جنت کی کسی چیز کا۔ پر اے خدا! مجھے جنت کے دروازے پر تو بیٹھنے کی اجازت دے دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ ہنسے گا اور کہے گا دیکھو! میرا بندہ کتنا حریص ہے، میں جتنا انعام کرتا ہوں اُتنی ہی اِس کی حرص بڑھتی چلی جاتی ہے۔ لیکن کیا اِس کی حرص میرے انعام سے بڑھ جائے گی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر فرمائے گا جا نہ صرف تجھے جنت کے دروازہ پر بیٹھنے کی اجازت ہے بلکہ جنت میں داخل ہونے کی بھی اجازت ہے اور جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس دروازہ میں سے چاہے تُو داخل ہو سکتا ہے۔8

غرض ترقی ہمیشہ قدم بقدم ہوتی ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ قیامت کے دن ایسا ہو گا یا یہ محض ایک تمثیل ہے۔ اور غالباً یہ تمثیل ہی ہے جس میں مومن جماعتوں کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ مومنوں کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے۔ پہلے وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم سَو

ہو گئے تو کامیاب ہو جائیں گے۔ پھر جب وہ سَو ہو جائیں تو کہتے ہیں ہم ہزار ہو جائیں تو ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ جب ہزار ہو جائیں تو کہتے ہیں لاکھ دو لاکھ ہو جائیں تو بڑی بات ہے۔ جب لاکھ دو لاکھ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کروڑ دو کروڑ ہو جائیں تو کتنا اچھا ہو۔ جب اتنے ہو جائیں تو کہتے ہیں کوئی چھوٹا سا جزیرہ مل جائے جس پر ہماری حکومت ہو۔ جب کوئی ایسا جزیرہ مل جاتا ہے تو کہتے ہیں اس کے ساتھ دو چار اور جزائر مل جائیں تو کیسا اچھا ہو۔ اس طرح قدم بقدم وہ ساری دنیا پر غالب آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سلوک تمام مومن جماعتوں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے اور ہمارے ساتھ بھی اِسی طرح ہو رہا ہے۔ ہم اِسی طرح آہستہ آہستہ ترقی کرتے آئے ہیں اور کرتے چلے جائیں گے۔ کوئی وہ دن تھا کہ ہماری یہ مسجد اقصیٰ اِتنی چھوٹی تھی کہ موجودہ مسجد کا ساتواں حصہ ہو گی۔ اِس مسجد میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے 1907ء کے جلسہ سالانہ پر جو تقریر فرمائی اُس میں مَیں بھی موجود تھا۔ اُس وقت میری عمر 18، 19 سال کی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ اُس وقت جماعت کے لوگ بے حد خوش تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اب ہم بہت ہو گئے ہیں اب ہمارے لئے دنیا کو فتح کرنے میں کیا کسر باقی رہ گئی ہے۔ حالانکہ اُس وقت صرف سات سَو آدمی آئے تھے۔ مگر اُس وقت کے لحاظ سے یہ اِتنی بڑی تعداد تھی کہ جلسہ سالانہ پر لنگر خانے والے سب آدمیوں کو روٹی نہیں کِھلا سکے تھے اور بہت سے آدمی بُھوکے سوئے تھے۔ اِس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رات کے وقت الہام ہوا کہ یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرَّ 9۔ اے نبی! بُھوکوں اور پیاسوں کو کھانا کِھلاؤ۔ آپ نے اٹھ کر جب پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ سو دو سو آدمیوں کے کھانے کا انتظام نہیں ہو سکا تھا اور وہ بُھوکے سو گئے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے لئے رات کو کھانا کھلانے کا انتظام کرنے اور کھلانے کا حکم فرمایا۔ صبح جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیر کے لئے تشریف لے جانے لگے تو مسجد مبارک کی اندرونی سیڑھیوں کے دروازہ کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا۔ (میں اُس وقت سیڑھیوں کے اندر کی طرف کھڑا تھا) کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے کبھی اِس رنگ میں ہمیں الہام نہیں کیا کہ یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہہ کر مجھے پہلی دفعہ مخاطب کیا گیا ہے۔ غرض اُس جلسہ میں سات سَو آدمی

آئے۔ مگر اُن سات سو آدمیوں کے آنے پر اِس قدر خوشی کا اظہار کیا گیا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ حالانکہ آج ہمارے مدرسوں میں ہی اِس سے کئی گُنا زائد طالب علم پڑھتے ہیں۔ ہمارے ہائی سکول میں سولہ سو طالب علم ہیں۔ ہمارے کالج میں ڈیڑھ سو طالب علم ہیں۔ ہمارے زنانہ سکول میں پانچ چھ سو یا اس سے زائد لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ اور ہمارے جامعہ احمدیہ اور مدرسہ احمدیہ وغیرہ مدارس میں اڑھائی سو کے قریب طالب علم ہیں۔ پھر ان کے علاوہ بھی ہیں جو پرائیویٹ طور پر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان سب کو ملا لیا جائے تو تین ہزار کے قریب طالب علم بن جاتے ہیں۔ گویا آج یہ حالت ہے کہ قادیان میں صرف تین ہزار ہمارا طالب علم پایا جاتا ہے۔ لیکن اس وقت ہمارے جلسہ سالانہ پر سات سو آدمی آئے اور ان سات سو آدمیوں کے آنے کو اس قدر اہم سمجھا گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب باہر سیر کے لئے گئے تو آپ کی جوتی بار بار لوگوں کے پاؤں لگنے کی وجہ سے گر جاتی تھی۔ کیونکہ آپ کھلی جوتی پہنتے تھے۔ (میں بھی کھلی جوتی ہی پہنا کرتا ہوں) جب بار بار اس طرح ہوا تو آپ نے فرمایا۔ اب سیر کرنے کا زمانہ نہیں رہا۔ چنانچہ آپ نے ریتی چھلہ میں بڑ کے درخت کے نیچے کھڑے ہو کر ایک تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نبی دنیا میں اپنی جماعت قائم کرنے کے لئے آتا ہے۔ چونکہ ہماری جماعت قائم ہو چکی ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ جس کام کے لئے میں آیا تھا وہ شاید ختم ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس وقت سات سو آدمی تھے۔ لیکن اب اگر عورتوں کو شامل کر لیا جائے تو صرف ہمارے جمعہ میں آنے والے لوگ ہی پانچ ہزار سے زائد ہو جاتے ہیں۔ غرض جماعت نے آہستہ آہستہ ترقی کی اور ترقی کرتی چلی جا رہی ہے۔ ہر قدم پر لوگوں نے سمجھا کہ اگر ہم اتنے ہو گئے تو بڑی بات ہے لیکن یہ ہماری نادانی ہے۔ کیونکہ ہم نے جو کچھ سمجھا غلط سمجھا۔ اصل بات تو وہ ہے جو خدا نے سمجھی اور خدا نے آسمان پر یہ نہیں سمجھا تھا کہ سات سو آدمی اس جماعت میں داخل ہو جائیں گے خدا تعالیٰ نے آسمان پر یہ نہیں سمجھا تھا کہ تین ہزار طالب علم قادیان میں پڑھنے لگ جائیں گے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے عرش پر یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ پانچ چھ ہزار آدمی جمعہ سننے والے قادیان میں پیدا ہو جائیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے آسمان پر بیٹھے ہوئے یہ فیصلہ کیا تھا کہ دنیا میں احمدیت ہی احمدیت قائم کر دی جائے گی۔ اور دوسری قومیں

بہت قلیل تعداد میں رہ جائیں گی۔ جب تک یہ مقصد پورا نہیں ہوتا ہمارا کام ختم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ مقصد فرشتوں نے پورا نہیں کرنا بلکہ ہم نے پورا کرنا ہے۔ فرشے صرف ہمارے مدد گار ہوں گے۔ لیکن اس کام کی تکمیل کے لئے ایک لمبا عرصہ درکار ہے۔ ہم میں سے ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا مرتا چلا جائے گا اور ایک زمانۂ دراز کے بعد یہ مقصد حاصل ہو گا۔ بہر حال جو لوگ اِس غرض کے لئے آگے آتے چلے جائیں گے وہی خدا تعالیٰ کے مقرب اور محبوب ہوں گے۔

دینی جماعتوں کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے مونگے کے جزیرے ہوتے ہیں۔ سینکڑوں جزائر دنیا میں ایسے موجود ہیں جن میں مونگے جیسے حقیر جانور جن میں عقل و شعور کا مادہ بھی نہیں ہوتا ایک دوسرے پر گر کر جان دیتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ میلوں میل لمبے اور چوڑے جزائر انہوں نے آباد کر دیئے۔ اور وہ جزائر آج کورل آئی لینڈز (Coral Islands) کے نام سے مشہور ہیں۔ اِن میں لاکھوں آدمی بستے ہیں اور بڑی بڑی نعمتیں وہاں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر مونگے خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت دنیا میں اپنی جانیں قربان کر کے جزائر آباد کر دیتے ہیں تو کتنا بد بخت وہ انسان ہے جسے خدا تعالیٰ نے ایک نئی زمین اور نیا آسمان بسانے کا حکم دیا اور اُس نے اپنی جان کو کئی قسم کے بہانوں سے بچانا شروع کر دیا۔ ربُّ الْعرش کے حکم کے ماتحت وہ مونگے جن سے خدا تعالیٰ نے کسی جنت کا وعدہ نہیں کیا۔ جس کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسا عظیم الشان نبی ہدایت کے لئے نہیں آیا۔ جن کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا نبی نازل نہیں ہوا۔ اور جن کے لئے آدم سے لے کر اب تک ایک لمبا سلسلہ انبیاء قائم نہیں ہوا مر کر دنیا میں کئی جزائر آباد کر گئے۔ اُن کو خدا نے کہا جاؤ اور ایک نئی دنیا بسا دو۔ اور وہ اِس کی تعمیل میں ایک دوسرے پر گر کر فنا ہوتے چلے گئے اور آہستہ آہستہ اِتنا انبار لگ گیا کہ گہرے سمندر میں سے خشکی نکل آئی۔ جس پر اَور مونگوں نے مر مر کر اسے اَور بڑا اور چوڑا کر دیا یہاں تک کہ وہ جزائر بن گئے۔ جن میں اب لاکھوں انسان بس رہے ہیں۔ لیکن کتنے بد بخت ہیں وہ انسان کہ اُن کے لئے آدم سے لے کر حضرت مسیحؑ ناصری تک انبیاء آئے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ اس

کے بعد آپ کے خلیفہ اور بروز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا اور خدا نے اُن سے کہا کہ جاؤ اور ہمارے لئے ایک نئی مملکت اور ایک نئی بادشاہت قائم کر دو۔ مگر وہ اپنے مالوں کو لے کر بھاگتے پھرے اور انہوں نے خدا تعالیٰ کی مملکت کے لئے جزائر پیدا نہ کئے۔

اِس وقت جو کام ہمارے سپرد ہے وہ ایسا عظیم الشان ہے کہ جس کی مثال اِس سے پہلے دنیا میں نہیں ملتی۔ اِس کی بنیاد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رکھی تھی۔ مگر اس کو ختم کرنا اب ہمارے سپرد کیا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں پکار رہے ہیں کہ اے مزدورو! آؤ اور اِس عمارت کی تکمیل کرو۔ مگر ہم میں سے بہت لوگ ایسے ہیں جو بھاگتے پھرتے ہیں اور قربانیوں سے گریز کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سامنے خوشی کے ساتھ کھڑا ہونے کا موقع نہیں ملے گا۔ جو خوشی کے ساتھ قربانیاں کریں گے اور خوشی کے ساتھ اپنے آپ کو اِس کام کے لئے وقف کر دیں گے وہ اسلام کی آخری تعمیر میں حصہ لینے والے اور اسلام کے معمار ہوں گے۔ اور وہی لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعتوں میں لکھے جائیں گے اور اگلے جہان میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہوں گے کیونکہ انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

مولوی برہان الدین صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخلص ترین صحابی اور پنجاب کے چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کے بعد جب ان کے ساتھیوں نے ان کو چھوڑ دیا تو ان کی حیثیت مزدوروں کی سی ہو گئی۔ حتّٰی کہ ان کے پاس پورے کپڑے بھی نہیں ہوتے تھے۔ مگر اِس قدر قربانیوں کے باوجود ان کے دل میں ہمیشہ خلش رہتی تھی کہ ابھی ہم نے کچھ نہیں کیا۔ مجھے ان کا اِسی قسم کا ایک واقعہ یاد ہے جسے میں کبھی بُھول نہیں سکتا۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں بیٹھے تھے اور آپ روحانی معارف بیان فرما رہے تھے۔ حضرت خلیفہ اول، حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور دوسرے دوست بھی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مولوی برہان الدین صاحب نے چیخیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا

مولوی صاحب! کیا بات ہے؟ لیکن آپؑ جتنا پوچھتے آپ اُتنا ہی زیادہ زور سے رونے لگ جاتے۔ آخر بار بار پوچھنے اور تسلی دلانے پر مولوی برہان الدین صاحب نے کہا حضور! لوگ اِس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ مسیح آئے گا، دنیا میں روحانی معارف لُٹائے گا اور ہم اُس پر ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کریں گے۔ ہم اِن امیدوں کے ساتھ انتظار میں تھے اور سمجھ رہے تھے کہ ہم ہر قسم کی قربانیاں کر کے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کریں گے کہ خدا تعالیٰ کا مسیح آگیا۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے مجھے ایمان لانے کی توفیق عطا فرما دی۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں کہ اسلام کے لئے قربان کر سکوں۔ حالانکہ وہ غریب ہی اِس لئے ہوئے تھے کہ وہ احمدی ہو گئے تھے۔ پھر کہنے لگے ہم سنا کرتے تھے کہ مسیح آئے گا تو خزانے لُٹائے گا اور آپ نے خوب خزانے لُٹائے مگر میں تو پھر بھی جھڈّو کا جھڈّو ہی رہا۔ جھڈّو کے لفظی معنی تو مجھے نہیں آتے لیکن اِس کا مطلب یہ ہے کہ میں پھر بھی ناکارہ کا ناکارہ ہی رہا۔ یہ کہہ کر وہ چیخیں مار کر رونے لگ گئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ 10۔ یعنی مومنوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے قربانیاں کیں اور انتہا درجہ کی قربانیاں کیں اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کو پا لیا۔ اور کچھ ایسے ہیں جو قربانیاں کر رہے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں جو نشانات و معجزات پر سے اِس طرح گزر جاتے ہیں جس طرح کہ وہ آدمی جس نے اپنے بدن پر تیل ملا ہوا ہو اس پر سے پانی گزر جاتا ہے اور کوئی قطرہ اُس کے جسم میں جذب نہیں ہوتا۔ یہ لوگ جماعت کے گلے میں ایسا پتھر ہیں جو جماعت کو اُٹھنے نہیں دیتے۔

اسلام کی جنگ کا زمانہ قریب سے قریب تر آتا جا رہا ہے اور ہم ابھی صرف پینترے بدل رہے ہیں۔ جیسے پینترے بدلنا اصل چیز نہیں ہوتی بلکہ وہ جسم کو گرم کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں اِسی طرح ہمارا مختلف قسم کی تحریکات جاری کرنا اور جماعت کو مالی قربانیوں میں حصہ لینے کی دعوت دینا پینترے بدلنے والی بات ہے۔ ورنہ اصل کام اَور ہے۔ ہم نے دنیا کو فتح کرنا ہے۔ ہم نے دنیا کے دلوں اور دماغوں کو فتح کرنا ہے۔ اور اس کے لئے ہمیں جن سامانوں کی ضرورت ہے اُن کا اندازہ بھی ہم آج نہیں لگا سکتے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں خدا تعالیٰ کے فضل

سے ایک حد تک قربانی کی روح ترقی کر رہی ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ جماعت کی تعداد میں جو ترقی ہو رہی ہے وہی اس کا اصل باعث تو نہیں۔ اگر تعداد کے بڑھنے کی وجہ سے قربانی میں ترقی معلوم ہوتی ہے تو پھر یقیناً ہم نے کوئی کام نہیں کیا۔ قربانی میں ترقی کرنے کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ ہماری ذاتی قربانی بڑھ جائے۔ اگر ہم خود کوئی قربانی نہ کریں اور تعداد کے بڑھنے کی وجہ سے کچھ ترقی ہو جائے تو اس ترقی کا ہمارے وجود سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ فرض کرو پہلے پانچ احمدی تھے اور وہ ڈیڑھ روپے کے حساب سے ساڑھے سات روپیہ چندہ دیتے تھے۔ پھر خدا تعالیٰ نے پانچ نئے احمدی بنا دیے اور وہ دس روپے مزید چندہ دینے لگ گئے۔ تو یہ لازمی بات ہے کہ اگر پہلے پانچوں کا چندہ ساڑھے سات روپے تھے تو اب ساڑھے سترہ روپے ہو جائے گا لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہوں گے کہ پہلے پانچ آدمیوں نے قربانیوں میں ترقی کی اور وہ ساڑھے سات روپے سے ساڑھے سترہ پر آ گئے۔ بلکہ یہ زیادتی اُن نئے آنے والوں کی وجہ سے ہو گی۔ پس وہ نئے احمدی جو اِس دوران میں اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں اگر ان کی وجہ سے ہمیں مالی ترقی ہوئی ہے تو یہ جماعت کی قربانی کا ثبوت نہیں ہو گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کام تھا کہ اُس نے ان کو ہدایت دے دی۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ہمارے ایمانوں میں کونسا تغیر پیدا ہوا اور ہم نے کس قربانی کا ثبوت دیا؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ جو قربانیوں میں سُستی سے کام لے رہے ہیں خدا تعالیٰ کے قُرب سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اور اُس سطح کے قریب آ رہے ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے غضب کا مورد بنا دیتی ہے۔ پس یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ آیا نئے آنے والوں کی وجہ سے ہماری قربانیوں میں ترقی ہوتی ہے یا در حقیقت ہماری جماعت کے لوگ قربانیوں میں ترقی کر رہے ہیں۔

اِس وقت تحریک جدید کے ماتحت بہت سے کام شروع کئے جا چکے ہیں مگر ان کاموں کو صحیح طور پر چلانے کے لئے مزید قربانیوں کی ضرورت ہے۔ جس رنگ میں وہ کام ہونے چاہئیں ابھی تک اُس رنگ میں نہیں ہو رہے جس کی بڑی وجہ جماعت کی قربانی کی کمی ہے۔ اگر ان کاموں کو صحیح طور پر چلایا جائے تو جماعت بہت بڑی ترقی کر سکتی ہے اور اپنے منزلِ مقصود کو زیادہ سرعت کے ساتھ حاصل کر سکتی ہے۔ مگر ابھی منزلِ مقصود کے قریب پہنچنا تو درکنار

ہماری جماعت کی حالت ویسی ہی ہے جیسے اُس شخص کی ہو گی جسے اللہ تعالیٰ دوزخ سے نکال کر باہر کھڑا کر دے گا۔ ہم بھی اِس وقت ایک درخت کے نیچے کھڑے ہیں۔ لیکن جنت کا دروازہ ابھی تک ہم سے بہت دور ہے۔ بڑی بڑی حکومتوں یا بادشاہتوں کی مخالفتوں کا مقابلہ کرنا تو الگ رہا ابھی تو تمہاری حالت یہ ہے کہ اگر ضلع کی پولیس تم پر مسلّط کر دی جائے تو وہ تم سب کو باندھ کر لے جاسکتی ہے۔ بلکہ ضلع کی پولیس تو الگ رہی ایک تھانیدار بھی تم پر اپنا رُعب جما سکتا ہے۔ اسلام اور احمدیت کی حکومت تو اُس دن قائم ہو گی جس دن تمہارے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ سپاہی کے سامنے بھی بڑے سے بڑے بادشاہ کی گردن جھک جائے اور وہ اس کے سامنے کوئی حرکت نہ کر سکے۔ مگر بہرحال جس طرح دوزخ سے باہر آیا ہوُا انسان درخت کے نیچے آکر خوش ہوتا ہے اُسی طرح ہم بھی پہلے درخت کے نیچے پہنچ گئے ہیں لیکن جنت ابھی دور ہے۔ ہاں ہر ترقی جو انسان کو حاصل ہوتی ہے اُس پر اُسے خوشی ضرور محسوس ہوتی ہے۔ جس طرح کسی کا بچہ جب ایک سال کا ہو جاتا ہے اور اُس کے دانت نکلنے شروع ہوتے ہیں تو ماں باپ خوش ہوتے ہیں کہ بچہ نے دانت نکالنے شروع کر دیے ہیں۔ مگر اس خوشی کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ بچہ جوان ہو گیا ہے یا اُس کی آئندہ نسل پیدا ہونی شروع ہو گئی ہے۔ اِسی طرح اگر مجھے کوئی کہے کہ آپ نے پچھلے سال بھی جماعت کی ترقی پر خوشی کا اظہار کیا تھا اور اس سے پچھلے سال بھی تو میں اُسے یہی کہوں گا کہ تمہارے بچے کے دانت نکلتے ہیں تو تم خوش ہوتے ہو یا نہیں؟ تمہارا بچہ گھٹنوں چلتا ہے تو تم خوش ہوتے ہو یا نہیں؟ مگر کیا بچے کا دانت نکالنا یا اُس کا گھٹنوں چلنا اُس کا منتہائے مقصود ہوتا ہے؟ اُس کا منتہائے مقصود یہ نہیں ہوتا بلکہ اُس کا منتہائے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک قویُّ البیان، کامل فراست اور کامل فہم رکھنے والا انسان بن جائے اور اس کے ذریعہ بنی نوع انسان کی ایک اچھی اور نیک بنیاد قائم کی جائے۔ اگر تم اپنے بیٹے کے دانت نکالنے یا گھٹنوں چلنے پر خوش ہو سکتے ہو تو ہماری یہ خوشیاں کیوں ناواجب ہو سکتی ہیں۔ ہم پہلے سال بھی خوش تھے، دوسرے سال بھی خوش تھے، تیسرے سال بھی خوش تھے۔ اور درمیان میں کچھ ایسے سال بھی آئے جن میں ہم پورے طور پر خوش نہیں ہوئے۔ مثلاً گیارھویں سال کی تحریک جو دفتر دوم سے تعلق رکھتی ہے اُس میں جماعت نے اُتنا حصہ نہیں لیا جتنا اِسے لینا

چاہیے تھا۔ آخر اِس دس سال کے عرصہ میں بچے جوان ہوئے ہیں اور بہت بیکار کام پر لگ گئے ہیں۔ جو اُس وقت آٹھ سال کے تھے وہ اب اٹھارہ سال کے ہوگئے ہیں جو اُس وقت نو سال کے تھے وہ اب انیس سال کے ہوگئے ہیں۔ جو دس سال کے تھے وہ اب بیس سال کے ہوگئے ہیں۔ جو گیارہ سال کے تھے وہ اب اکیس سال کے ہوگئے ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے ڈیڑھ ہزار آدمی ہر سال کمانے والا ہو گیا تو اِس عرصہ میں پندرہ ہزار آدمی کمانے والے ہو گئے۔ لیکن اِس کے باوجود مجھے افسوس ہے کہ دفتر دوم میں صرف پچاس ہزار کے وعدے آئے۔ حالانکہ اس وقت ہمارا تحریک جدید کا سالانہ خرچ تین چار لاکھ کے قریب ہے۔ اِس سے کم کسی صورت میں بھی گزارہ نہیں ہو سکتا۔ میں اس کے متعلق ایک گزشتہ خطبہ میں حساب لگا کر بتا چکا ہوں کہ یہ کم سے کم خرچ ہے جس کے بغیر ہم اپنے تبلیغی کاموں کو وسیع نہیں کر سکتے۔ ان میں کچھ کام ابھی ابتدائی حالت میں ہیں۔ بعض سکیمیں ایسی ہیں جو ابھی تک جاری ہی نہیں ہو سکیں اور بعض جاری تو کی گئی ہیں مگر لوگوں نے اُن کی طرف توجہ نہیں کی۔ حالانکہ کل اِن کو افسوس ہو گا کہ ہم نے کیوں اِس میں حصہ نہیں لیا۔ چونکہ خدا تعالیٰ کے تمام کام آہستگی سے ہوتے ہیں اِس لئے جماعت کو بھی قدم بقدم چلانا پڑتا ہے۔ اور جُوں جُوں کسی سکیم کے سامان پیدا ہوتے چلے جائیں گے اُس کو ہم جاری کرتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک دن آئے گا جب ساری دنیا میں اسلام کا غلبہ ہو جائے گا اور دنیا میں احمدیت ہی احمدیت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب بھی دنیا ہمیں تباہ نہیں کر سکتی۔ لیکن ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جو درخت میں نے لگایا ہے اُس کا کوئی نہ کوئی پھل بھی دیکھ لوں۔ خواہ وہ پھل کسی صورت میں ہو۔ مثلاً جو شخص آم لگاتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اَور کچھ نہیں تو میں اپنے آم کی کیری 11 ہی دیکھ لوں۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی اور میں نے تحریک جدید جاری کی۔ تحریک جدید کے ماتحت تبلیغِ اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے اور سلسلہ کی ترقی پہلے کی نسبت بہت زیادہ ہو رہی ہے۔ لیکن قدرتی طور پر میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ یہ کام اَور بھی ترقی کرے اور میں بھی اس درخت کے پھلوں کو دیکھ لوں اور اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ کے کام تو چلتے ہی چلے جاتے ہیں اور ان میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہو سکتی۔

اگر ہم چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ دوسروں کو لے آئے گا جو اِس کام کو سنبھال لیں گے اور جب وہ چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کی جگہ کچھ اَور لوگ کھڑے کر دے گا لیکن اسے انسانی کمزوری کہہ لو یا فطری امر کہہ لو بہر حال انسان کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ جس کام کی داغ بیل مَیں نے ڈالی ہے اُس کے ثمرات کو بھی دیکھ لوں۔ اس لئے اب جبکہ تحریک جدید کا بارہواں سال شروع ہو رہا ہے میں جماعت کے دوستوں سے کہتا ہوں کہ وہ گیارھویں سال کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں اور اس طرح اپنے رب کی رضا حاصل کریں۔ اِسی طرح تحریک جدید دفتر دوم کی طرف جماعت کو خاص توجہ سے کام لینا چاہیے۔ جن دوستوں نے پہلے حصہ نہیں لیا وہ اب حصہ لیں اور جن لوگوں نے پہلے حصہ لیا ہے وہ اپنی رقوم کو بڑھانے کی کوشش کریں۔ اِس وقت تک دفتر دوم میں جن لوگوں نے اپنے وعدے لکھوائے ہیں اُن کی تعداد بہت کم ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے تحریک جدید کے لئے ہمیں کم از کم تین لاکھ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہے اور ریزرو فنڈ کی ضرورت اِس کے علاوہ ہے۔ لیکن وعدے کُل پچاس ہزار کے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے دفتر کے وعدوں کی میعاد ختم ہونے پر سب کام اُسی طرح ختم ہو جائے گا جس طرح ایک اونچی عمارت زلزلہ کے دھکّا سے گر جاتی ہے۔ میں نے غور کر کے محسوس کیا ہے کہ شاید دفتر دوم کے وعدوں کے زیادہ سخت شرائط ہیں یا یہ کہ ابھی اِس دَور کے آدمی ایمان کے اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچے اس لئے بڑی کمی ہے۔ دفتر دوم کے لئے میں کچھ آسانی کر دیتا ہوں۔ پہلے میں نے ایک مہینے کی تنخواہ کی شرط رکھی تھی لیکن اب میں نصف اور تین چوتھائی تنخواہ کی بھی اجازت دیتا ہوں۔ یعنی تینوں طرح چندہ دیا جا سکتا ہے۔ پورے مہینے کی تنخواہ دے کر بھی۔ اور اگر کوئی پورے مہینے کی تنخواہ نہ دے سکتا ہو تو وہ اپنی تنخواہ کا پچھتر فیصدی دے کر بھی اس میں شامل ہو سکتا ہے۔ اور اگر پچھتر فیصدی کا حصہ بھی نہیں دے سکتا تو پچاس فیصدی حصہ دے کر بھی شامل ہو سکتا ہے۔ لیکن بہر حال ضروری ہو گا کہ انیس سال تک متواتر قربانی کی جائے اور کچھ نہ کچھ پہلے کی نسبت اپنے چندہ کو بڑھایا جائے۔ اب چونکہ بہت سے لوگ فوج سے واپس آ گئے ہیں اور اُن کی تنخواہیں پہلے سے کم ہو گئی ہیں اس لئے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا یہ قاعدہ اِسی سال کی تنخواہ کے حساب سے ہو گا خواہ اسے

تھوڑی تنخواہ ملتی ہو یا بہت۔ مثلاً ایک شخص کو فوج میں اڑھائی سَو روپیہ ماہوار تنخواہ ملا کرتی تھی لیکن اب اُسے پچاس روپے ملتی ہے۔ تو اب اُس کا چندہ پچاس روپے ہو جائے گا نہ کہ اڑھائی سَو روپیہ۔ ہاں اُس کا فرض ہو گا کہ وہ اپنی موجودہ تنخواہ کے لحاظ سے ہر سال کچھ نہ کچھ اضافہ کرتا چلا جائے۔

آج میری صحت خراب تھی اور میری بیماری مجھے یہاں آنے کی اجازت نہ دیتی تھی۔ لیکن اِس کے باوجود میں آ گیا ہوں یہ سمجھتے ہوئے کہ کیا پتہ ہے کہ اگلے سال کی تحریک کے اعلان کرنے کا مجھے موقع ملے یا نہ ملے۔ اِس لئے جتنا حصہ بھی اِس تحریک کے ثواب کا اپنی زندگی میں لے سکتا ہوں لے لوں۔ چنانچہ میں آج تحریک جدید کے بارھویں سال کا اعلان کرتا ہوں اور وہ دوست جنہوں نے اب تک اِس میں حصہ نہیں لیا اُن سے بھی کہتا ہوں کہ وہ بھی دفتر دوم میں اپنا وعدہ جلد سے جلد لکھوا دیں۔ اور جو دوست اول یا دفتر دوم میں پہلے سے حصہ لے رہے ہیں وہ پہلے سے بڑھ کر حصہ لیں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ ایسا موقع نہ سینکڑوں سال میں پہلے کسی جماعت کو ملا ہے اور نہ آئندہ ملے گا۔ اِس وقت اسلام کا جھنڈا بلند کرنا ہماری جماعت کے سپرد کیا گیا ہے۔ اور اسلام کا جھنڈا تمام دنیا میں بلند نہیں کیا جا سکتا جب تک دوبارہ اِس کے سپاہیوں میں وہی روح پیدا نہ ہو جائے جو قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں میں پائی جاتی تھی اور جس کی مثالیں میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اِسی طرح جو لوگ پہلے بیکار تھے لیکن اب ملازم ہو چکے ہیں یا انہوں نے کوئی اَور کاروبار شروع کیا ہوا ہے اُن کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے دفتر دوم میں حصہ لیں۔ ساتھ ہی مَیں دفتر والوں کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ دفتر دوم کو مکمل کرنے اور اس کے وعدوں کو دو تین لاکھ تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے یہ ہمارا کم سے کم خرچ ہے جو ممکن ہے دو تین سال میں پانچ چھ لاکھ تک پہنچ جائے۔ اگر دفتر دوم کے وعدے کم از کم تین لاکھ تک پہنچ جائیں تو پھر ہم سہولت کے ساتھ اپنی سکیموں کو جاری کر سکتے ہیں۔

اب جنگ ختم ہو گئی ہے اور غیر ممالک میں جانے کے لئے لوگوں کو سہولتیں مل رہی ہیں۔ ہمارے نو مبلّغ اِس وقت تک باہر جا چکے ہیں اور پندرہ سولہ کے قریب تیار بیٹھے ہیں جو

عنقریب مختلف ممالک میں تبلیغ کے لئے جانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِس زمانہ میں جو مصائب اور تکالیف کا زمانہ ہے مجھے بہت سی اخبارِ غیبیہ بتائی ہیں جن کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی برکات کا سلسلہ شاندار طریق پر دنیا میں ظاہر ہونے والا ہے۔ اگر ہم اِس وقت کام کریں گے تو ویسا ہی ہو گا جیسے کہتے ہیں کہ لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری نصرت کے سامان پیدا ہو رہے ہیں۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسلام کی اشاعت کے غیر معمولی سامان پیدا فرمائے گا۔

تین چار دن ہوئے میں نے ایک رؤیاء میں دیکھا کہ میں عربی بِلاد میں ہوں اور ایک موٹر میں سوار ہوں۔ ساتھ ہی ایک اَور موٹر ہے جو غالباً میاں شریف احمد صاحب کی ہے۔ پہاڑی علاقہ ہے اور اُس میں کچھ ٹیلے سے ہیں جیسے پہلگام، کشمیر یا پالم پور میں ہوتے ہیں۔ ایک جگہ جا کر دوسری موٹر جو میں سمجھتا ہوں میاں شریف احمد صاحب کی ہے کسی اَور طرف چلی گئی ہے اور میری موٹر اَور طرف۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری موٹر ڈاک بنگلے کی طرف جا رہی ہے۔ بنگلہ کے پاس جب میں موٹر سے اُترا تو میں نے دیکھا کہ بہت سے عرب جن میں کچھ سیاہ رنگ کے ہیں اور کچھ سفید رنگ کے میرے پاس آئے ہیں۔ میں اُس وقت اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرف جانا چاہتا ہوں لیکن ان عربوں کے آجانے کی وجہ سے ٹھہر گیا ہوں۔ انہوں نے آتے ہی کہا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا سَیِّدِیْ! میں اُن سے پوچھتا ہوں مِنْ اَیْنَ جِئْتُمْ؟ کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ جِئْنَا مِنْ بِلَادِ الْعَرَبِ وَ ذَھَبْنَا اِلٰی قَادِیَانَ وَ عَلِمْنَا اَنَّکَ سَافَرْتَ فَاتَّبَعْنَاکَ حَتّٰی عَلِمْنَا اَنَّکَ جِئْتَ اِلٰی ھٰذَا الْمُقَامِ۔ یعنی ہم قادیان گئے اور وہاں معلوم ہوا کہ آپ باہر گئے ہیں اور ہم آپ کے پیچھے چلے یہاں تک کہ ہمیں معلوم ہوا کہ آپ یہاں ہیں۔ اِس پر میں نے اُن سے پوچھا کہ لِاَیِّ مَقْصَدٍ جِئْتُمْ؟ کس غرض سے آپ تشریف لائے ہیں؟ تو اُن میں سے لیڈر نے جواب دیا کہ جِئْنَا لِنَسْتَشِیْرَکَ فِی الْاُمُوْرِ الْاِقْتِصَادِیَّۃِ وَالتَّعْلِیْمِیَّۃِ اور غالباً سیاسی اور ایک اَور لفظ بھی کہا۔ اِس پر میں ڈاک بنگلہ کی طرف مڑا اور اُن سے کہا کہ اِس مکان میں آجایئے وہاں مشورہ کریں گے۔ جب میں کمرہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ میز پر کھانا چُنا ہوا ہے اور کُرسیاں لگی ہیں۔

اور میں نے خیال کیا کہ شاید کوئی انگریز مسافر ہوں اُن کے لئے یہ انتظام ہو۔ اور میں آگے دوسرے کمرہ کی طرف بڑھا۔ وہاں فرش پر کچھ پھل اور مٹھائیاں رکھی ہیں اور ارد گرد اُسی طرح بیٹھنے کی جگہ ہے جیسے کہ عرب گھروں میں ہوتی ہے۔ میں نے اُن کو وہاں بیٹھنے کو کہا اور دل میں سمجھا کہ یہ انتظام ہمارے لئے ہے۔ ان لوگوں نے وہاں بیٹھ کر پھلوں کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ میری آنکھ کُھل گئی۔ اِس رؤیا سے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بِلادِ عرب میں احمدیت کی ترقی کے دروازے کُھلنے والے ہیں۔

اِسی طرح میں نے ایک اَور رؤیا دیکھا کہ میر قاسم علی صاحب مرحوم آئے ہیں۔ اُنہوں نے گرم کوٹ اور گرم پاجامہ پہنا ہوا ہے اور وہ مضبوط جوان معلوم ہوتے ہیں۔ قاسم علی میں بھی عرب کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ قاسم کے معنے تقسیم کرنے والے کے ہیں اور علی کے معنی بڑی شان والے کے۔ پھر میر قاسم علی صاحب سید بھی تھے۔ پس وہ وقت آگیا ہے کہ لوگ کثرت سے احمدیت کی طرف رجوع کریں گے اور ان کے رجوع کرنے کے سامان خدا تعالیٰ کے فضل سے روز بروز زیادہ سے زیادہ پیدا ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کہاں کہاں پہلے احمدیت کے پھیلنے کے رستے کھلیں گے۔ ابھی افریقہ سے ایک علاقہ کے مبلغوں کی اطلاع آئی ہے کہ اگر ہمیں بارہ مبلغ مل جائیں تو ہم دس سال کے اندر اندر اِس سارے علاقے کو احمدی بنا سکتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کی ترقی کے رستے کُھل رہے ہیں۔ صرف ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم اپنے قدم کو تیز تر کر دیں اور ہر قسم کی قربانیوں میں خوشی سے حصہ لیں۔ پس میں آج تحریک جدید کے بارھویں سال کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کے رحم سے استمداد کرتے اور اُس کے حضور دعا کرتے ہوئے جماعت کے مخلصین سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے اخلاص کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہوئے بارھویں سال میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر وعدے لکھوائیں اور جنہوں نے پہلے حصہ نہیں لیا وہ دفتر دوم میں حصہ لیں اور اُنیس سال تک اپنی قربانی کو جاری رکھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر جماعت کے دوست صحیح طور پر قربانی کریں تو دفتر دوم میں تین چار لاکھ تک وعدوں کا پہنچ جانا کوئی مشکل امر نہیں۔ صرف دوستوں کی توجہ اور ہمت کی ضرورت ہے۔

پس میں اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتے ہوئے تحریک جدید کے بارھویں سال کا اعلان کرتا ہوں اور دوستوں سے کہتاہوں کہ آگے بڑھو اور احمدیت اور اسلام کے لئے اپنے مالوں کو قربان کرو تاکہ جب ہماری موت کا وقت آئے تو ہم خوش ہوں کہ جس کام کو ہم نے شروع کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اُس کے رحم سے اپنی تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔" (الفضل مورخہ 17 دسمبر 1945ء)

1: اسد الغابۃ جلد 3 صفحہ 385-386 مطبوعہ ریاض 1286ھ

2: كنز العمال جلد 11 صفحه 737 مطبوعه حلب 1974

3: بخاری کتاب المَغَازِی باب مَنْ قُتِلَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یَوْمَ اُحُدٍ میں مصعب بن عمیر کی طرف یہ واقعہ منسوب ہے۔

4: ترمذی کتاب الزهد باب فی التوکل علی الله

5: الدھر: 9

6: بخاری کتاب الرِّقَاقِ باب کَیْفَ کَانَ عَیْشُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَصْحَابِہٖ

7: بخاری کتاب الْاِعْتِصَامِ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ باب مَا ذَکَرَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ حَضَّ عَلٰی اتِّفَاقِ اَھْلِ الْعِلْمِ (الخ)

8: بخاری کتاب الْاَذَانِ باب فَضْلِ السُّجُوْدِ (الخ)

9: تذکرۃ صفحہ 746۔ ایڈیشن چہارم

10: الاحزاب:24

11: کیری: کچا آم